جب ہمارے اخلاقی معیار ہماری پہچان بن جائیں

بچے اخلاقی اقدار اس لیے نہیں اپناتے کہ انہیں اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے، بلکہ اس لیے اپناتے ہیں کہ وہ اپنے بڑوں کو اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور گھر کے بڑوں کا مستقل طرزِ عمل ہی ان کے لیے 'نارمل' بن جاتا ہے۔ جب کنٹرول کی جگہ تجسس اور لکچرز کی جگہ مکالمہ لے لیتا ہے، تو اقدار بچوں کے اندر جڑ پکڑنے لگتی ہیں۔ حقیقی تربیت کا مقصد قوانین مسلط کرنا نہیں بلکہ سمجھ بوجھ کو پروان چڑھانا ہے۔ اور اس عمل میں صرف بچے ہی پروان نہیں چڑھتے، بلکہ ان کے ساتھ ان کے والدین کی اپنی ذہنی بالیدگی بھی فروغ پاتی ہیں ۔اور یہ ماحول ایک ایسا گھرانہ تشکیل دیتا ہے جہاں اصول نافذ نہیں کیے جاتے، بلکہ فطری طور پر جیے جاتے ہیں۔

میں نے ان سے ایک ایسا سوال کیا جو کافی عرصے سے میرے ذہن پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا، "اگر میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے مخصوص معیار اور اصولوں کے مطابق پروان چڑھیں، تو میں اس بات کو کیسے یقینی بناؤں کہ یہ اصول واقعی ان کی زندگی کا مستقل حصہ بن جائیں؟"

انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔ "آپ کا کام آپ کی سوچ سے کہیں پہلے شروع ہو جاتا ہے،" انہوں نے کہا، "بلکہ بچے کی پیدائش سے بھی پہلے۔"

میں نے ذرا الجھن کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔

انہوں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "جن اصولوں کے مطابق آپ اپنے بچوں کو زندگی گزارتے دیکھنا چاہتے ہیں، سب سے پہلے آپ کو انہیں اپنے اندر پروان چڑھانا ہوگا۔"

یہ بات خاموشی سے مگر بڑی مضبوطی کے ساتھ میرے دل میں اتر گئی۔

انہوں نے وضاحت کی کہ بچے اخلاقی اقدار سے پہلی بار ہدایات کے ذریعے متعارف نہیں ہوتے، بلکہ ان کا مشاہدہ کرنے سے متعارف ہوتے ہیں۔ یعنی انھیں دیکھ کر۔ ایک ایسے ماحول میں رہ کر جہاں مخصوص اقدار کے مطابق جینا معمول کی بات ہوں۔ انہوں نے کہا، "آپ کا بولنے کا انداز، آپ کا کھانے کا طریقہ، بڑوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ اور آپ کی جھنجھلاہٹ پر آپ کا ردِعمل؛ یہ سب 'تعلیم' ہے۔" قواعد و ضوابط کو سمجھنے سے بہت پہلے بچہ رویوں اور طور طریقوں کو جذب کر لیتا ہے۔ پھر انہوں نے ایک ایسے مرحلے کی طرف اشارہ کیا جس کا سامنا ہر والدین کو کبھی نہ کبھی کرنا پڑتا ہے۔ "ایک وقت آئے گا،" انہوں نے کہا، "جب آپ کا بچہ ان اصولوں پر سوال اٹھانا شروع کر دے گا۔" مجھے میز پر ایسے ہی کیوں بیٹھنا ہے؟ میں ہمیشہ بڑوں کا احترام کیوں کروں؟ مجھے چھوٹوں کا خیال کیوں رکھنا چاہیے؟ انہوں نے کہا، "یہ سوالات بغاوت نہیں ہیں، بلکہ یہ ذہنی نشوونما کی علامت ہیں۔"

یہ سن کر مجھے دلی سکون محسوس ہوا۔

انہوں نے بات جاری رکھی، "اس مرحلے کا تعلق کسی مخصوص عمر سے نہیں ہے۔ کچھ بچے یہاں جلد پہنچ جاتے ہیں، کچھ دیر سے۔ جذباتی اور ذہنی پختگی اپنی رفتار سے پروان چڑھتی ہے۔" انہوں نے خبردار کیا کہ اس رفتار کو زبردستی تیز کرنے کی کوشش ہماری سوچ سے کہیں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ اصول شعوری طور پر ذہن نشین ہوں، تو اکثر یہیں غلطی ہوتی ہے۔" آپ مکالمے کے بجائے ہدایات دینا شروع کر دیتے ہیں۔ سننے کے بجائے وضاحتیں پیش کرنے لگتے ہیں۔ تحقیق کے بجائے وعظ و نصیحت پر اتر آتے ہیں۔

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "قدریں لکچرز کے ذریعے اندر داخل نہیں ہوتیں،" انہوں نے کہا، "یہ گفتگو اور مکالمے کے ذریعے جگہ بناتی ہیں۔" انہوں نے ایک ایسا طریقہ متعارف کرایا جس نے فوری طور پر مجھے متاثر کیا۔ انہوں نے کہا، "سقراطی طریقہ (Socratic method) یہاں بے مثال ہے۔" بچے کو یہ نہ بتانا کہ کیا سوچنا ہے، بلکہ ایسے سوالات کرنا جو اسے یہ دریافت کرنے میں مدد دیں کہ کوئی چیز کیوں اہم ہے۔ آپ کو کیوں لگتا ہے کہ ساتھ مل کر کھانا ضروری ہے؟

آپ کو کیسا محسوس ہوگا اگر میز پر کوئی آپ کو نظر انداز کر دے؟ آپ کس طرح کے گھر میں رہنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، "یہ سوالات بچے کو فیصلے کا اختیار (Agency) دیتے ہیں۔" بچہ اپنا نقطہ نظر بنانا شروع کر دیتا ہے۔ اب وہ کسی قانون کی پیروی اس لیے نہیں کر رہا کہ کسی طاقتور ہستی نے ایسا کہا ہے، بلکہ وہ اس لیے مان رہا ہے کیونکہ اب اسے وہ بات بامعنی لگنے لگی ہے۔

انہوں نے ایک ایسا فرق واضح کیا جو میرے ذہن میں نقش ہو گیا۔ انہوں نے کہا، "جب بچہ کوئی اصول صرف اس لیے مانتا ہے کہ اس کے ماں یا باپ نے ایسا کہا ہے، تو وہ اصول تب تک ہی برقرار رہتا ہے جب تک صاحبِ اختیار سامنے موجود ہو۔" جس لمحے والدین کی نظر ہٹی—یا کوئی زیادہ پرکشش چیز سامنے آئی—وہ اصول یا ضابطہ ختم ہو جاتا ہے۔

میں نے پوچھا، "ایسا کیوں ہے؟"

انہوں نے وضاحت کی، "کیونکہ وہ کبھی اس کی اپنی 'قدر' تھی ہی نہیں۔" کسی قدر کو اپنی پہچان بنانے کے لیے، اسے پرکشش بننا پڑتا ہے۔ بیرونی دباؤ کے بجائے اندرونی انتخاب۔ انہوں نے کہا، "اور اس کے لیے پختگی (Maturity) درکار ہوتی ہے۔" ذہنی پختگی—تاکہ وجوہات کو سمجھا جا سکے۔ جذباتی پختگی—تاکہ ناگواری اور تاخیر کو برداشت کیا جا سکے۔ انہوں نے کہا، "یہ چیزیں ایک دن میں پیدا نہیں ہوتیں، اور نہ ہی ان میں جلد بازی کی جا سکتی ہے۔" انہوں نے خبردار کیا کہ پختگی کو تیز کرنے کی کوشش اکثر الٹا اثر دکھاتی ہے۔ یہ مزاحمت پیدا کرتی ہے۔ الجھن پیدا کرتی ہے۔ اور اسی نمو کو روک دیتی ہے جسے ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا، "یہ ایک عجیب سلسلہ ہے۔ اگر کوئی کڑی ایک مقام پر ٹوٹ جائے، تو اس کا نقصان ہر طرف پھیل جاتا ہے۔"

انہوں نے مجھے ایک ایسی مثال دی جو نہ صرف جانی پہچانی سی تھی بلکہ اتنی ہی تکلیف دہ بھی تھی۔ ایک بچے کو مسلسل باادب بننے کی تلقین کی جاتی ہے۔ وہ روزانہ یہ سنتا ہے۔ لیکن وہ دیکھتا ہے کہ بڑے تلخ لہجے میں بات کرتے ہیں، ایک دوسرے کی بات کاٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن سے وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا، "آپ کے خیال میں کون سا سبق اس کے ذہن میں نقش ہوگا؟"

ہدایت نہیں، بلکہ اس ماحول کی ثقافت۔ بچے تضاد کو محسوس کرنے میں بلا کے حساس ہوتے ہیں۔ جب قدروں کا ذکر تو ہو لیکن ان پر عمل نہ کیا جائے، تو وہ خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ قدریں محض نمائشی اداکاری کی چیز ہیں– حقیقی نہیں۔

مجھے احساس ہوا کہ ہم اکثر ایسی قدریں سکھانے کی کوشش کرتے ہیں جنہیں ہم نے خود اپنی ذات میں مکمل طور پر جگہ نہیں دی ہوتی۔ ہم بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر پر لکچر دیتے ہیں۔ ہم خود اپنی سہولت کے مطابق بات گھڑ لیتے ہیں لیکن سچائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم حقارت کا نمونہ پیش کرتے ہوئے احترام کی بات کرتے ہیں۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا، "بچے قدروں کی مزاحمت نہیں کرتے، وہ 'تضاد' کی مزاحمت کرتے ہیں۔"

گفتگو آگے بڑھی تو ایک اور بات واضح ہوئی۔ یہ عمل یکطرفہ نہیں تھا۔ انہوں نے کہا، "والدین صرف بچوں کی نشوونما نہیں کرتے، بلکہ بچے بھی والدین کی نشوونما کرتے ہیں۔" ان کے سوالات ہمیں ان چیزوں پر غور کرنے پر مجبور کرتے ہیں جن کا ہم نے کبھی جائزہ نہیں لیا ہوتا۔ ان کا تجسس ہماری اپنی سمجھ کے خلا کو بے نقاب کرتا ہے۔ ان کے چیلنجز ہمیں ترقی کی دعوت دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا، "یہ ایک باہمی ترقی کا سفر ہے۔" اور شاید یہی سب سے مشکل حصہ ہے۔ کیونکہ اس کے لیے 'کنٹرول' نہیں بلکہ 'عاجزی' کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو کچھ انہوں نے کہا تھا جب میں اس پر غور کرنے بیٹھا، تو ایک ہی خیال بار بار ذہن میں آتا رہا۔ اقدار کو 'نصب' (Install) نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں پروان چڑھانا پڑتا ہے۔ دھیرے دھیرے، صبر و تحمل کے ساتھ۔ زندگی گزارنے، سوال اٹھانے اور باہمی غور و فکر کے عمل سے۔"

اور سب سے سچی حقیقت یہی تھی: اگر میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے مخصوص اقدار اپنائیں، تو مجھے پہلے اس بات کے لیے تیار ہونا ہوگا کہ ان اقدار کو اپنی ذات کے اندر مسلسل پروان چڑھنے دوں۔

محض ان قواعد کے طور پر نہیں جو میں مسلط کرتا ہوں–بلکہ اس زندگی کے طور پر جسے میں پہلے خود جیتا ہوں۔